

جناب طفیل محمد صاحب

ادعیمہ ناٹورہ۔ ادبی محاسن

دعا انسانی جبلت میں شامل ہے۔ چنانچہ ہر دور کا انسان نہ صرف دعا کے مفہوم سے واقف تھا بلکہ جب بھی انسان کسی مصیبت میں مبتلا ہوا، یا کسی مشکل سے دو چار ہوا، اس نے دعا کو اپنایا اور اس میں اپنی مشکلات کا مداوا پایا۔ تاریخ انسانی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے انسان کو سب سے پہلے دعائیہ کلمات سکھائے۔ (۱) اس لئے جب انسانی صلاحیتیں اور مادی وسائل ناکام ہو جاتے ہیں تو انسان دعا کے ذریعے اپنے خالق حقیقی سے استعانت کرتا ہے۔ جس کی قرآن حکیم نے ان الفاظ میں شہادت دی ہے۔

اذا مس الانسان ضرر دعا ربه
 انیبا الیہ (سورۃ الزمر آیت ۸)
 جب انسان کو کوئی نقصان پہنچے تو وہ اپنے پالنے والے کو ہمہ تن متوجہ ہو کر پکارتا ہے۔

دعا کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسانی بھلائی، بندہ و خالق کے تعلقات کی استواری، انسان کی عاجزی اور رب العزت کی عظمت و کبریائی اور ایمانے آدم کی مشکلات کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ اس لئے دعا کا بنیادی تصور خیر کی قوتوں کے فروغ اور شر کی طاقتوں کو نیست نابود کرنے سے عبارت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں دعا کا تصور ضرور موجود رہا (۲)۔

دعا کے لغوی معنی پکارنا، بلانا، مانگنا، التجا کرنا، درخواست کرنا اور سوال کرنا وغیرہ کے ہیں۔ جبکہ شریعت میں دعا کا اصطلاحی معنی ہے۔

الابتہال الی اللہ بالسؤال و الرغبة فیما عنده من الخیر الا بہتال والتضرع الیہ فی تحقیق المطلوب وادراک المأمول (۳)۔

ترجمہ = ”سوال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا“ اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود خیر کے حصول میں اپنی رغبت اور خواہش ظاہر کرنا، اپنے مقصد کو پانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے آہ و زاری کرنا اور اللہ تعالیٰ

سے اپنی امیدوں کی بجا آوری کا نام دعا ہے۔“

اس تعریف کی روشنی میں دعا دو چیزوں سے عبارت ہے، 'خالق کائنات کے حضور اپنی عبودیت'، احتیاج، عاجزی، کمزوری اور ضعف و رذالت کا اعتراف کیا جائے اور دلی یقین و اعتقاد کے ساتھ رب کائنات کی الوہیت، ربوبیت، قدر، عظمت و جلال اور رحمت و برکات کا اقرار کیا جائے۔ انسان جب اپنی بندگی و پستی اور خالق کون و مکان کی حاکمیت، بالادستی اور آقا کی قوی شعور اور احساس کے ساتھ اس کی بارگاہ سے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ کچھ مانگتا، کچھ چاہتا اور اپنی معروضات پیش کرتا ہے۔ تو دعا کی حقیقت وجود میں آتی ہے۔

جو انسان کے لئے بھلائی اور کامیابی کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ انسان جب اپنی سراپا بندگی کا اظہار کرتا ہے۔ تو دعا کا دوسرا عنصر ادا ہوتا ہے۔

دعا کا مفہوم اور مقصد اور فضاء اس امر کی جانب رہنمائی کرتا ہے کہ یہ عبدیت کی معراج، عین عبادت بلکہ عبادت کا مغز اور انسانی بھلائی کی ضامن ہے۔ اس لئے ادیان عالم کے تسلسل میں اسلام نے بھی دعا کی اہمیت، ضرورت اور افادیت کو تسلیم کیا۔ خالق ارض و سماء نے انسانوں کو اپنی عمومی تعلیم کے ذریعے سے سکھایا کہ جب میرے بندے مجھے پکارتے ہیں، مجھ سے مانگتے اور سوال کرتے ہیں تو میں ان کی دعائیں سنتا، ان کی حاجات پوری کرتا اور ان کی گنجائیں بٹاتا ہوں۔ (۴)

یہی وجہ ہے کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن حکیم میں جب دعا مانگنے کی تعلیم دی گئی۔ اھدنا الصراط المستقیم، خذ العفو و امر بالعرف اور رب زدنی علما (۵) محسن انسانیت کو دعا سکھانے کی عمدہ مثالیں ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا کی تعلیم دینے میں یہ حکمت بھی مضمر ہے کہ آپ کے ذریعے امت کا رشتہ خالق کائنات سے جوڑ دیا جائے۔ قرآن و حدیث میں مذکور دعاؤں کو عام کیا جائے تاکہ انسان اپنے شب و روز اور ان کے تمام لمحات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت کا طالب اور انسانی بھلائی کا خواہاں رہے۔

انسانیت کے غم گسار اور سلسلہ نبوت کے آخری پیغمبر نے اس حکم الہی پر جس عمدہ طریقے سے عمل کیا وہ حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سنہری باب ہے۔ ایک طرف آپ نے اپنی امت کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ دعا تمام نازل شدہ اور نازل ہونے والی مصیبتوں سے چھٹکارا دلاتی ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کا فضل طلب نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے کیونکہ تجھی میں فراخی کی امید

عمدہ عبارت ہے (۶) :-

دوسری طرف آپ نے امت مسلمہ کو ایسی دعائیں سکھائیں جو زندگی کے کم و بیش تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ خوشی کا موقعہ ہو یا غمی کا، انسان سو رہا ہو یا بیدار ہو، خواب دیکھ رہا ہو یا حقیقت کی گتھیاں سلجھا رہا ہو، اطمینان کی کیفیت سے گزر رہا ہو یا خوف و طلال کی حالت سے دوچار ہو، صبح کا وقت ہو یا شام کا، ولادت کا مرحلہ درپیش ہو یا موت اور بعدالمرات کی منازل ہوں۔ ہر ہر لمحہ اور ہر ہر حالت کے لئے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں مروی ہیں۔ یہ ”ادعیہ ماثورہ“ ہیں۔ انہیں ادعیہ مسنونہ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ یہ دعائیں حیات انسانی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہیں۔ اس لئے ان کی تعداد کا صحیح شمار دشوار کام ہے۔ امام ابو یوسف ترمذی نے اپنی ”سنن“ کے ابواب الدعوات میں چھوٹی بڑی ۲۵۳ دعائیں نقل کی ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے اہل علم نے بھی ”ادعیہ ماثورہ“ پر مستقل کتابیں (۷) تحریر کی ہیں۔ جنہیں ترتیب زمانی کے مطابق مرتب کرنا بجائے خود ایک تحقیقی کام کا متقاضی ہے۔ مزید برآں حدیث نبوی کی تمام کتب میں بھی دعا کے ابواب شامل کر دیئے گئے ہیں۔ ہر کتاب کے مطالعہ سے ”ادعیہ ماثورہ“ کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔

”ادعیہ ماثورہ“ کی عبارات پر غور کیا جائے تو بعض ادعیہ صرف دو الفاظ پر مشتمل ہیں جیسے ”سل محمد“ (جو مانگو ملے گا) لیکن بعض ادعیہ طویل عبارات پر مشتمل ہیں۔ جن کا بنیادی مقصد رب کائنات کی رحمت، شفقت اور عنایات کا حصول اور انسانی ضروریات کی تکمیل ہے۔ ان دعاؤں کے اسنادی پہلو پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ”ادعیہ ماثورہ“ چونکہ عمد رسالت میں بھی معروف اور تداول ہو گئی تھیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہت سی ”ادعیہ ماثورہ“ یاد کر لی تھیں وہ یہ دعائیں خود بھی مانگا کرتے اور تابعین کو بھی سکھایا کرتے تھے۔ اس لئے ”ادعیہ ماثورہ“ کی اسناد قوی اور مرویات مضبوط ہیں۔ اس بناء پر اہل علم کی یہ رائے ہے کہ ”ادعیہ ماثورہ“ کے الفاظ وہی ہیں۔ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے اس لئے یہ دعائیں انسانی قلب پر اثر انداز ہوتیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت پاتی ہیں نیز حدیث نبوی کے تحفظ و بقاء کی زندہ مثال ہیں۔

”ادعیہ ماثورہ“ کا کئی پہلوؤں سے مطالعہ کیا گیا، محدثین کرام نے ادعیہ کے استنادی پہلو کو اجاگر کیا۔ صحیح، ضعیف، احسن اور سقیم کا درجہ اور حکم متعین کیا۔ انہیں روایت و درایت کے سنری

اصول پر پرکھا۔ اہل اللہ اور اصحاب تصوف نے ”ادعیہ ماثورہ“ کو اپنی عملی زندگیوں میں اپنایا۔ چنانچہ صوفیائے کرام نے خاص خاص ادعیہ کو اپنے سلاسل تصوف اور اوراد و وظائف کے طور پر اختیار کیا اور عاشقانِ رسول نے ”ادعیہ ماثورہ“ کو حرزِ جان بنایا اپنی روحانی تسکین اور درجاتِ سلوک طے کرنے کے لئے ان کا شب و روز ورد کیا۔ اور جب یہ ادعیہ ان کے قلب و زبان پر جاری ہو گئیں تو صوفیائے کرام نے ان ادعیہ مبارکہ کو انسانی دکھوں کے مداوے اور بیماریوں کے علاج کے لئے استعمال کیا۔

ان سب پہلوؤں کی اپنی اپنی اہمیت اور افادیت ہے جن کا مطالعہ ایک علمی ضرورت ہے۔ تاہم ہم اس مختصر سی تحریر میں اس امر کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ ”ادعیہ ماثورہ“ کا عربی زبان و ادب میں کیا مقام و مرتبہ ہے؟ اور ادعیہ مسنونہ نے عربی زبان کو کیا کچھ دیا ہے؟ اور ان کے ادبی محاسن کیا ہیں؟ یہ موضوع بجائے خود بہت طویل ہے۔ جس کا احاطہ اس تحریر میں ممکن نہیں ہے۔ اس لئے چند مثالوں کے ذریعے بات واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ظہورِ اسلام کے وقت عربی ادب کا جائزہ لیا جائے تو وہ غزل، مدح، ہجو، فخر، انسانی اوصاف کے بیان اور مرہیہ جیسے موضوعات پر مشتمل ہے۔ بلکہ اسلام نے عربی ادب کو قرآن حکیم جیسا لازوال ادبی شہ پارہ عطا کیا۔ جو پوری انسانیت کے لئے بیک وقت کتابِ رشد و ہدایت بھی ہے۔ اور ادبی شاہکار بھی۔ اس کے ساتھ ہی اسلام نے عربی ادب کو حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں نہ صرف ہدایت اور رہنمائی کا سامان فراہم کیا، بلکہ جدید الفاظ و معانی، تراکیب، محاورات، مفہیم اور ضرب الامثال کا ایک ایسا بھرپور عطا کیا جس کی بدولت عربی ادب کو آدابِ عالم میں ارفع و اعلیٰ مقام میسر آیا۔

حدیثِ نبوی زندگی کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتی، انسان کے تمام قسم کے جذبات و احساسات کا اظہار کرتی، تہذیب و ثقافت کی تمام جہتوں کو واضح کرتی اور خالق اور بندے کے تعلق کو مختلف انداز میں بیان کرتی اور الگ الگ پیرایوں میں اجاگر کرتی ہے۔ جن کی معروف صورت ”ادعیہ مسنونہ“ ہیں۔ جو ادبی شاہکار ہیں۔ ان میں نہ صرف بیان، معانی، بدیع وغیرہ کے اصول پیش نظر رکھے گئے۔ بلکہ اقوالِ رسول میں الفاظ کی ساخت، صرف و نحو کے قواعد اور لفظِ لئسی کے بنیادی نکات بھی موجود ہیں۔ جن سے لسانی علوم کے ماہرین نے بھرپور استفادہ کیا اور مختلف علوم کے مؤسسن اور ماہرین حدیث نبوی سے بھرپور انداز میں استفادہ کیا (۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب بھر خالق و مالک کائنات سے اپنا تعلق اس طرح استوار کئے رکھا کہ اگر آپ کی حیات طیبہ کے لمحات شمار کئے جائیں تو ان کا ایک بڑا حصہ دعا کرتے گذرا، سفر و حضر، سوتے، جاگتے، اٹھتے، بیٹھتے نیز زندگی کے ہر لمحہ میں آپ مصروف دعا دکھائی دیتے ہیں۔ نماز بھی دعائی ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں جو آخری الفاظ ادا کئے وہ ’
 “اللہم بلغرفیق الاعلیٰ” (۹) دعائیہ کلمات ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ”ماثورہ ادعیہ“ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن کا تاحال احاطہ اور تحقیقی مطالعہ نہیں ہوا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا عبادت کا مغز (۱۰) اور جو ہر ہے ”اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ باعظمت نہیں۔“ دعا ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان براہ راست اپنے خالق و مالک سے مخاطب ہوتا۔ اس سے راز و نیاز کرتا۔ اپنی مشکلات پیش کرتا۔ رب کائنات کی عظمت کا اعتراف اور اپنی کم مائیگی، بے چارگی اور ناتوانی کا اظہار کرتا ہے۔ اپنی حاجات چاہتا اور حاجات پوری کرنے والے کی بندگی بجالاتا اور اس کی عظمت کے گیت گاتا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی کہ روزِ مرہ کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکناؤ، آپ نے مثال سے واضح فرمایا کہ نمک ختم ہو جائے یا جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اللہ سے مانگو۔ کیونکہ وہی انسانی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ جب دعا پوری زندگی کے جملہ پہلوؤں پر محیط ہے تو وہ عربی ادب کو نیا محاورہ، روزِ مرہ اور ضرب الامثال بھی عطا کرتی ہے نیز عربی ادب کو جدید پیرائے بیان اور ادبی محاسن عطا کرتی ہے۔ دعا کے ذریعے عربی ادب کو حفظ قرابت کا پیرائے بیان ملا۔ کیونکہ جاہلی ادب دعائیہ پیرائے بیان سے بہت حد تک خالی ہے۔

اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جس طرح قرآن حکیم ادب، معانی، بلاغت یا نظم و نثر کی کتاب نہیں ہے۔ اسی طرح وحی غیر متلو ہونے کی حیثیت سے حدیث نبوی بھی نہ شعر ہے اور نہ ہی مجملک اور مشکل نثر۔ بلکہ یہ ابلاغ کا ایک ایسا موثر نمونہ ہے جو گفت و شنید، طرزِ خطاب اور ابلاغیات کے عمدہ پہلو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے اور قرآن حکیم کی طرح ارشادات نبوی سے صرف، نحو، معانی، بیان اور بلاغت کی تقویت کے لئے مثالیں اخذ کی گئیں۔ جن احادیث کو ادبی استشاد کے لئے پیش کیا گیا ان میں ”ادعیه ماثورہ“ سرفہرست رہیں کیونکہ یہ انسانی قلوب میں رائج اور زبانوں پر

جاری رہی ہیں۔

ادعیہ مسنونہ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خود سکھایا تھا اور بہت ہی عمدہ سکھایا۔ ادنیٰ قاصد تادیبی (۱۱) اسی لئے آپ افع العرب والعم کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔ اور آپ کو اپنی بات عمدہ ترین طریقے سے انسانوں تک پہنچانے کا حکم ہوا۔

”وقل لهم في انفسهم قولاً بليغاً“ (النساء: ۶۳)

آپ انہیں واضح انداز میں بات کہیں ”اس آیت کی تفسیر میں تحریر ہے ”قولا بليغا انفسهم وموثرافي قلوبهم“ (۱۲)۔ آپ عمدہ طریقے سے پیغام پہنچائیے جو نفوس میں راسخ اور قلوب پر اثر انداز ہو۔

ایک اور تفسیر میں تحریر ہے رجل بليغ يبلغ بلسانه كنه مافي قلبه (۱۳) بليغ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی دلی کیفیت اپنی زبان کے ذریعے دوسروں تک پہنچا دے صاحب جو امع الکلم نے یہ کام انتہائی عمدہ انداز میں سرانجام دیا۔ چنانچہ ہندین ابی ہالہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز گفتگو اور ابلاغی خوبیوں کے بارے میں یہ کہا۔

”كان رسول الله صلى الله عليه وسلم متواصلاً بالاحزان، دائم الفكر، ليست له راحة ولا يتكلم في غير حاجته، طويل السكوت يفتح الكلام ويختمه بأشراقه، ويتكلم جو امع لكلم (۱۴)۔“
(الترمذی باب الشمال)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغم غم و حزن کا پیکر رہتے، ہمیشہ غور و خوض کرتے رہتے انہوں نے پر راحت زندگی بسر نہیں کی، وہ بلا ضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے، آپ لمبی خاموشی اختیار کئے رہتے، گفتگو کی ابتداء و انتاء واضح انداز میں فرماتے اور آپ کی صفت ”جو امع الکلم“ ہے۔

یہ حدیث ادعیہ کے اسلوب، ان کے پر مغز ہونے اور ان کی ادبی حیثیت واضح کرنے کی عمدہ دلیل ہے۔ کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بلا ضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ گویا آپ کا زندگی بھر دعا فرماتا یہ رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ دعا انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ نیز اسی حدیث میں ہے کہ آپ ”جو امع الکلم“ کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔ گویا اپنی زبان مبارک سے جو الفاظ بھی ادا کرتے وہ ادب پارہ ہوتے تھے۔ لہذا آپ ادعیہ مسنونہ علی ادب کا شہ پارہ اور

اعلیٰ ادبی محاسن کا مجموعہ ہیں۔

دعوت اسلامی کا بنیادی مقصد انسان کو خالق کائنات کے حضور جھکانا اور انسانوں کو شرک کی جملہ اقسام سے پاک کرنا ہے۔ داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مقصد ہر وقت عیاں رہتا ہے۔ اس کا اظہار ادویہ میں جس کثرت سے ہے۔ اس کی مثال کسی دوسری صنف سخن یا نوع ادب میں ملنا دشوار ہے۔ یہ دعا ملاحظہ فرمائیے۔

”اللهم انی اھوذیک من سخطک، و اھوذیک بمعا فاتک من عقوبتک، لا اھصی ثناء علیک، انت کما اثنیت علی نفسک (۱۵)“

ترجمہ: اے پروردگار! میں تیری سختی سے پناہ چاہتا ہوں، تیرے عذاب سے درگزر کرنے کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں، میں تیری بے حد وحساب ثناء نہیں کر پاتا، جیسے تو نے اپنی ذات کی خوبی بیان کر دی۔

”ادویہ ماثورہ“ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعض الفاظ کو بار بار دہرایا کرتے تھے تاکہ ان کا دعا سمجھ میں آجائے۔ اور ان کا مضمون انسانی قلب و دماغ میں جاگزین ہو جائے۔ دعا میں جب رحمت عالم کلمات کو بار بار ادا کرتے ہیں، تو اس وقت وہ اپنی عاجزی اور انکساری، اللہ جل شانہ کی عظمت و جلال کا اعتراف کرتے اور مکرر الفاظ کے مطالب کو بار بار پیش کر کے ان کی قبولیت کے لئے حریص ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ دعا سات بار پڑھا کرتے تھے۔

بسم اللہ اھوذی عیزة اللہ فقدرتہ من شرہ ما جدد احادہ (۱۶)۔

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا اور اس کی قدرت اور عزت کے ذریعے شیطان سے پناہ چاہتا ہوں۔ جو تکلیف پہنچی یا پہنچائی گئی اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔ مریض کی عیادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا بھی فرماتے تھے۔ ”اذهب ابلس رب الناس“ اے انسانوں کے پروردگار اس بیماری (تکلیف) کو ختم کر دے۔

”ادویہ ماثورہ“ کے ادبی محاسن کا کئی پہلوؤں سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ادویہ کی کثرت اور ادبی محاسن کے مختلف پہلوؤں پر ان کا اطلاق ایک وسیع تر موضوع ہے۔ اس لئے کسی مختصر تحریر میں ان سب امور کا احاطہ ممکن نہیں۔ ہم دعاؤں کی ترکیب، عبارات کے فنی اور ادبی محاسن

’الفاظ کا انتخاب‘ مترادف یا متبادل الفاظ کے استعمال میں احتیاط، بعض الفاظ کو بار بار دعاؤں میں شامل کرنا اور خاص خاص مواقع کی ”ادعیہ ماثورہ“ کا اختصار سے ذکر کریں گے۔ ”ادعیہ ماثورہ“ کا آغاز عام طور پر ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

اللهم - ربنا - اعوذیک اسالک اور سبحان اللہ -

بظاہر یہ الفاظ بہت آسان معلوم ہوتے ہیں - روز مروا بلکہ ہر روز کئی بار استعمال ہونے کی وجہ سے یہ سب الفاظ مسلمانوں کی زبانوں پر رواں دواں ہیں - لیکن ان میں سے ہر لفظ کی اپنی ادبی قدر و قیمت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ”فوائح الدعاء“ کے طور پر منتخب کر کے لسانی، ادبی، حفظ مراتب اور انسانی ضروریات کے تقاضوں کو پورا فرمایا ہے۔

اگر ادعیہ کا جائزہ لیا جائے تو وہ عام طور پر دو طرح کی ہیں - ایسی ادعیہ جن میں خالق حقیقی کو براہ راست مخاطب کیا گیا ہے، ایسی ادعیہ کا مضمون مثبت ہوتا ہے اور ان دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے کسی نعمت کے عطا کرنے کی التجا کی جاتی ہے - ایسی دعاؤں کا آغاز عموماً ”اللهم“ یا ”ربنا“ کے الفاظ سے ہوتا ہے -

اللهم میں مذکور لفظ ”اللہ“ اسم ذات الہی ہے اس کی نہ جمع ہے اور نہ ہی تانیث - عرب معاشرے میں شرک کا دور دورہ تھا - لیکن وہاں بھی اس لفظ کا نہ مضمون تبدیل ہوا اور نہ ہی یہ اسم پاک کبھی کسی بت کے لئے استعمال ہوا - اس لفظ کا اشتقاق ”الہ“ سے ہے اور اس پر الف لام تعریف کا اضافہ کر کے ”اللہ“ بنا - اس لفظ کا اصل مادہ ”الہ“ ہے جو ساری زبانوں میں معبود کے معانی واضح کرتا ہے - بعض اہل لغت نے اس لفظ کو ”دلہ“ سے مشتق قرار دیا ہے، جس کا مضمون ورنہ حیرت میں ڈالنا اور عاجز کرنا ہے کیونکہ عقل اس ذات کی حقیقتوں کے ادراک سے عاجز اور حیران ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات عقل کی حد بندیوں اور پیمانوں سے بالاتر ہے (۱۷) - یہ لفظ دور جاہلیت میں بھی متداول تھا - اس لئے مقاطعہ قریش کے وقت صلح نامے پر ”باسمک اللهم“ لکھا گیا - (۱۸) جو اللہ جل جلالہ کی عظمت اور فیض کا آئینہ دار تھا -

لفظ ”اللہ“ کے اصلی حروف تین ہیں - اہل لغت کی رائے ہے کہ یہ تینوں حروف الگ الگ بھی ذات باری تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتے ہیں - مثلاً لفظ اللہ سے اگر الف الگ کر دیا جائے تو ”لہ“ باقی رہ جاتا ہے پھر ل جدا کیا جائے تو ”لہ“ بچے گا اور دو سرالام کم کیا جائے تو ”ہ“

باقی رہتا ہے۔ یہ سب الفاظ واجب الوجود کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ (۱۹) اور ”ادعیہ ماثورہ“ میں اسم ذات کا استعمال انسان کی عاجزی اور انکساری کی دلیل اور خالق کائنات کی عظمت و جلال کا عکاس ہے جو دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔

”ادعیہ ماثورہ“ کے آغاز میں کثرت سے استعمال ہونے والا دوسرا لفظ ”رہنا“ ہے۔ ماہرین لسانیات کی رائے ہے کہ لفظ ”رب“ تمام ساری زبانوں میں موجود ہے اور پرورش کے معانی ظاہر کرتا ہے۔ جب کہ عربی زبان میں لفظ ”رب“ معمولی پرورش تک محدود نہیں بلکہ یہ لفظ ”مکمل نشوونما“ ارتقاء اور پرورش کی حد تک کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ (۲۰) لفظ رب + نا کہہ کر انسان اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہمارا پالنے والا اور ہماری پرورش کرنے والا ہے۔ اس نے انسان کو لوح قلم سے پیدا کیا اور اپنی ربوبیت سے پرورش کی (۲۱)۔ اب اگر انسان کی کوئی حاجت یا ضرورت ہو تو وہی سبب الاسباب اور فیض رساں ہے۔ اس لئے وہ انسان کی تمام حاجات پوری کرنے والا ہے۔

قرآن و حدیث کی اکثر دعاؤں کا آغاز لفظ ”رہنا“ سے ہوتا ہے۔ یہ لفظ ادا کرتے وقت انسان کے دونوں ہونٹ باہم مل جاتے ہیں۔ گویا یہ لفظ بندے اور اللہ کو باہم ملانے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ بندے پروردگار عالم کی صفت ربوبیت کا اقرار کر کے اس کی رحمتوں، برکتوں اور نعمتوں کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اس طرح اس کی رحمت عام ہوتی ہے اور انسانی دعائیں شرف قبولیت کو پہنچتی ہیں۔

دعاؤں کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے۔ جن کے ذریعے سے رب کائنات کے حضور یہ التجا پیش کی جاتی ہے کہ وہ انسانوں کو ہر طرح کی آزمائشوں اور شر و بلیات سے محفوظ رکھے۔ ایسی ادعیہ کا آغاز عام طور پر ”اعوذ“ یا ”نعوذ“ کے لفظ سے ہوتا ہے۔ اس لفظ کا مفہوم ”پناہ مانگنا“ ہوتا ہے۔ یہی وہ لفظ ہے جس کے ذریعے اسلام میں شیطان سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ (۲۲) ارشادات نبویؐ کی روشنی میں جب مسلمان اپنی دعاؤں کا آغاز لفظ ”اعاذہ“ سے کرتے ہیں تو وہ اس سچائی کا بصدق دل اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے ابلیس کے چنگل میں پھنس کر یہ برائی کی ہے، یا ہمیں خدشہ ہے کہ ہم ابلیس کے ہکاوے میں آکر برائی کا ارتکاب نہ کریں، یا کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں اس طرح ”اعاذہ“ کے ذریعے شیطان سے پناہ مانگنے کے ساتھ ساتھ انسان رب

کائنات کی شفتوں، عنایات اور رحمتوں کا طالب بھی ہوتا ہے۔ اہل نقطہ نظر سے یہ لفظ شیطانی وسوسوں اور بری تدابیر نیز انسانی نفس کی اپنی تمام خرابیوں سے بچنے کے جملہ امور کا احاطہ کرتا ہے۔ لہذا وہ لفظ ”میانہ“ ”وقایہ“ یا حفاظت سے نہ صرف زیادہ بلوغ ہے بلکہ وسیع تر مفہوم کا حامل بھی ہے۔ اس لئے ”ادعیہ ماثورہ“ میں سے کثیر دعاؤں کا آغاز اسی لفظ سے ہوتا ہے۔ جس کی بہت سی مثالیں کتب حدیث اور دعاؤں کی کتابوں میں موجود ہیں۔

دعاؤں کی تیسری قسم وہ ہوتی ہے جو مثبت اور منفی دونوں طرح کے امور پر مشتمل ہے۔ اسی طرح یہ قسم بندے کے کمزور تاواں اور عاجز ہونے کی عکاس ہوتی ہے کہ انسان ایک فقیر اور سائل ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی عطا کرنے والا اور ”ان داتا“ ہے ایسی دعاؤں کی ابتداء میں ”امسالک یا منسلک“ کے الفاظ ملتے ہیں۔ لفظ سوال کو دعاؤں کے شروع میں لانے میں یہ نکتہ مضر ہے کہ دست سوال اسی کے حضور دراز کیا جاتا ہے جس سے سوال پورا ہونے کی توقع اور آرزو ہو۔ (۲۳) اس لئے انسان اس ذات ستودہ صفات کے حضور ملتی ہوتا ہے جس کی رحمت ہر چیز پر سایہ نقول ہے اور تمام نعمتیں جس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور وہ انسانوں کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے (۲۴)۔

جن دعاؤں کا آغاز لفظ ”سبحان“ سے ہوتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت و جلال کو ذریعہ بنا کر انسان اپنی حاجت بارگاہ ایزدی میں پیش کرتا ہے۔ لفظ ”سبحان“ سج سج تسمیہ باب تفضیل کے مصدر کا علم ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرا اور پاک ہے۔ علامہ زعزری لکھتے ہیں۔

”علم للنسبیح کعثمان للرجل“ فانصابہ بفصل مضر، ودل علی التنزیہ البلیغ من جمیع القبائح التي یضیف الیہ احداء اللہ“ (۲۵)

ترجمہ: (لفظ سبحان) تسبیح کا مصدر ہے جس طرح عثمان ہے جو کسی شخص کا علم ہوتا ہے۔ اس کا فضل مضر ہے۔ جس کی وجہ سے لفظ سبحان منصوب (زیر والا) ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ان کمزوریوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک ہے جو اللہ تعالیٰ کے دشمن (کفار) اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اس مفہوم کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مفسر آلوسی سے نقل کی ہے۔